© rasailojaraid.com

یادِ رفتگاں

ڈاکٹر صہیب حسن، لندن

تذکرہ ابا جان شیخ عبدالغفار حسنؒ رحمانی

یہ تحریر ایک مفصل مضمون کے لئے بحیثیتِ ایک خاکہ ہے، اس لئے جابجا قوسین میں ذیلی عناوین دیئے گئے ہیں جو تفصیل کے طالب ہیں اور تفصیلی مضمون ہی کا حصہ بنیں گے۔ اُمید کرتا ہوں کہ اس خاکہ میں جلد ہی رنگ بھر سکوں گا۔ ص ح

ابا جان کے شجرہ میں اتنا حصہ تو معروف ہے:

عبدالغفار حسن بن عبدالستار حسن بن عبدالجبار عمرپوری بن منشی بدرالدین بن محمد واصل

مورّثِ اعلیٰ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ شیخ حِبّان نامی ایک شخص جن کا تعلق مصر سے تھا، ہندوستان آ کر آباد ہوگئے، ان کا اپنا شجرۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ علم وتعلّم کی نسبت سے ہمارے پردادا عبدالجبار نے اس گھرانے کو دنیاے علم وفضل سے روشناس کرایا۔ آباؤاجداد مظفرنگر (یوپی) کے ایک مضافاتی قصبے عمرپور میں آباد تھے اوراسی نسبت سے 'عمرپوری' کہلائے۔ ننھیال کا تعلق رُھتك (کرنال) سے تھا، جہاں ابا جان کی پیدائش ہوئی۔

'عظمتِ حدیث' کے مقدمہ میں ابا جان نے اپنے دادا عبدالجبار اور والد عبدالستار کا اِجمالی تذکرہ کیا ہے، مزید تفصیل ابویحیٰی امام خان نوشہروی کی کتاب 'تراجم علماے اہلحدیث ہند' میں آ گئی ہے۔ پردادا عبدالجبار ہفت روزہ 'ضیاء السنۃ' (کلکتہ) کے ایڈیٹر تھے، جسے اُن کے اپنے برادرِ خورد ضیاء الرحمٰن بحیثیت پبلشر نکالا کرتے تھے۔ اُس دور میں سنت کا دفاع کرنے اور قرآن وحدیث کی دعوت کو عام کرنے میں جن رسائل و جرائد نے بھرپور کام کیا، اُن میں یہ پرچہ سرفہرست تھا۔ خاص طور پر مرزا غلام احمد قادیانی کی ضلالات اور عبداللہ چکڑالوی کی ہفوات کی خوب خبر لیتا تھا۔ رسالے کے آخر میں خبرنامہ عالم اسلام یا مسلمانوں سے متعلق خبروں کو بھی بالاختصار پیش کیا جاتا تھا۔ مجھے بڑی مسرت ہوئی جب میں نے برطانیہ میں اسلام کا علم بلند کرنے والوں میں سے ایک شخصیت کے متعلق چند ایسی باتیں اس رسالہ میں درج

© rasailojaraid.com

پائیں جو مجھے انگریزی مصادر میں بھی نہ ملی تھیں۔ میری مراد عبداللہ ولیم قویلیم سے ہے۔ جو 'لورپول' انگلینڈ کے ایک صحافی اور بیرسٹر تھے اور جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد ۱۸۸۹ء کے لگ بھگ اپنے اس آبائی شہر میں مسجد قائم کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔

ابا جان ۱۹۱۶ء کو اس گھرانے کے لئے عام الحُزن سے تعبیر کیا کرتے تھے کہ اس سال ان کے دادا عبدالجبار عمرپوری نے ۵۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ چند ماہ بعد والد عبدالستار حسن کا ۳۴ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ (۱۹۱۷ء کا آغاز ہوچکا تھا) اور پھر اپنے اکلوتے بھائی عبدالقہار اور اپنی والدہ اَمتہ المجیب بھی اللہ کو پیاری ہوئیں۔

ابا جان اپنی پھوپھی اَمتہ اللہ اور دادی صاحبہ کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے یتیم بھتیجے کو وہ محبت اور شفقت عطا کی جس سے وہ اپنے بچپنے ہی میں محروم ہوگئے تھے۔ [تذکرہ ددھیال اور ننھیال، پردادا اور دادا کے تعلیمی اور دعوتی مراحل کا بیان]

ابا جان کا سن ولادت ۲۰ جولائی ۱۹۱۳ء ہے، پیدائش رُھتک میں ہوئی۔ حیاتِ مستعار کے آخری دو سالوں میں یادداشت متاثر ہوچکی تھی، اس لئے جب میں نے جائے پیدائش کے بارے میں پوچھا تو 'دہلی' کا نام لیا لیکن پاسپورٹ اور دیگر وثیقہ جات میں رُھتک ہی ذکر ہے۔

دہلی کے مدرسہ 'نورالہدیٰ' کشن گنج میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پردادا عبدالجبار نے اُسے 'حسن گنج' کا نام دیا اور اسی مناسبت سے بیٹے کو بھی حسن کا لاحقہ عطا ہوا یعنی 'عبدالستار حسن' لیکن درسِ نظامی کا پورا مرحلہ دارالحدیث رحمانیہ، دہلی میں طے کیا جو کہ دہلی کے ایک مخیّر تاجر عطاء الرحمٰن نے قائم کیا تھا اور یہ مدرسہ اپنی پختہ عمارت، حسن نظامت، جودتِ تعلیم اور عربی کو بحیثیتِ زبان متعارف کرانے میں ہندوستان کے عربی مدارس میں ایک ممتاز مقام رکھتا تھا۔ ابا جان ذکر کرتے تھے کہ یہ رحمانیہ کی عربی تعلیم ہی کا ثمر تھا کہ ابا جان ایک عجمی ہوتے ہوئے بھی مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی میں اٹھارہ سال تعلیم دیتے رہے اور عجمیت اس تسلسل میں قطعاً آڑے نہ آئی۔

مدرسہ رحمانیہ نے جہاں ابا جان کو عربی زبان کا سلیقہ عطا کیا، وہاں شیخ احمداللہ پرتاب گڑھی (جو مولانا محمد یونس قریشی دہلوی کے ماموں تھے) کے توسط سے علم حدیث کی وہ اسناد عطا کی جو ۲۳ واسطوں سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے اور جو عصر حاضر میں ایک نایاب گوہر کی

© rasailojaraid.co

حیثیت رکھتی ہے۔عرب وعجم کے کئی اساتذہ اور طلبہ علم نے ابا جان سے اس اسناد کا إجازۃ حاصل کیا۔

حفیظ الرحمٰن اُن طلبہ میں سے ہیں جنہوں نے ابا جان سے ان کی آخری عمر میں فیض حاصل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ابا جان سے ملا اور اجازہ حدیث حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، کہا کہ کل فلاں وقت آنا، میں مقررہ وقت پر پہنچ گیا تو فرمایا کہ مصروف ہوں، فلاں نماز کے بعد ملنا، میں وقتِ موعود پر موجود رہا، والد صاحب نے پھر عذر کیا اور ایک اور وقت آنے کی تاکید کی، میں سمجھ گیا کہ میرا امتحان لے رہے ہیں اور شکر ہے کہ میں اس امتحان میں پورا اُترا، غالبًا چھ دفعہ کی آزمائش کے بعد بالآخر اجازہ لینے میں کامیاب ہوگیا۔

یہی طالبِ علم روایت کرتے ہیں کہ ایک اور دوست فیصل آباد سے اسلام آباد آئے، حفیظ الرحمٰن سے ملے اور کہنے لگے کہ شیخ سے ملتے ہیں اور 'اجازہ' بھی وصول کرتے ہیں، میں (یعنی حفیظ الرحمٰن) نے اُنہیں بتایا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہوگا۔ بہرحال شیخ سے ملاقات ہوئی، اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ کہا کہ تم فیصل آباد سے کس کام کے لئے آئے تھے؟ جواب دیا کہ دوست سے ملنے کے لئے۔ کہا کہ جب صرف اسی غرض سے آؤ گے تو اجازہ دوں گا۔ یہ صاحب چلے گئے اور پھر تین سال ہوگئے، اُنہوں نے پلٹ کر خبر نہ لی، والد صاحب کبھی کبھار مجھ سے پوچھتے، وہ تمہارا دوست کہاں چلا گیا؟

عود علی بدء کے تحت دوبارہ رحمانیہ کے ذکر کی طرف لوٹتے ہیں۔ رحمانیہ میں جن اساطینِ علم سے فیض حاصل کیا، اُن میں سے چند کے نام یہ ہیں: مولانا احمداللہ شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ، مولانا عبدالرحمٰن نگرنہسوی، مولانا محمد سورتی، مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہم اللہ۔

ابا جان کا یہ زمانہ عنفوانِ شباب تھا۔ مطالعہ کا بے حد شوق تھا، ملّی وملکی مسائل پر نگاہ رہتی تھی، اس لئے بعض اوقات رحمانیہ کے بورڈنگ کے اوقات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کئی جلسوں میں حاضری بھی دی، جلوسوں میں شرکت بھی کی۔ مدرسہ کی انتظامیہ نے فہمائش بھی کی لیکن حسن کارکردگی کی بنا پر چشم پوشی کی۔ ابا جان اُن اجتماعات کا بڑی دلچسپی سے ذکر کرتے ہیں جن میں ہندوستان کے مایہ ناز دماغ جیسے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ثناء

© rasailojaraid.com

اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہم اللہ شرکت کیا کرتے تھے۔ اَحراری اور لیگی چپقلش کو بھی دیکھا اور لیگی و کانگرسی رقابت کو بھی۔ رحمانیہ کے تقریری مقابلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور داد پائی۔

ابا جان، مدرسہ کے مہتمم سیٹھ عطاء الرحمٰن کا ذکر بڑی عقیدت سے کرتے ہیں۔ اُن سے ایک خصوصی تعلق قائم ہوگیا تھا، جو مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے تک قائم رہا، پھر حاسدوں کی پٹی پڑھانے سے اور کچھ اپنی غفلت کی بنا پر اس تعلق میں فتور پیدا ہوگیا، پھر بھی وہ ابا جان کے نکاح کے بعد تقریبِ ولیمہ میں شریک ہوئے اور اپنی طرف سے بھی ولیمہ کا انعقاد کیا۔ یہی وہ گہرا تعلق تھا جو فراغت کے ۲۶ سال بعد کراچی کے مدرسہ سعودیہ (سفید مسجد) سولجر بازار کو دوبارہ دارالحدیث رحمانیہ کا روپ دھارنے پر آمادہ کرسکا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب ابا جان ۱۹۶۳ء میں پنجاب سے کراچی تشریف لائے اور مدرسہ مذکورہ میں مسندِ حدیث سنبھالی تو اُنہوں نے جہاں مدرسہ کے نصاب میں کئی تبدیلیاں روشناس کرائیں، وہاں مدرسہ کے موجودہ متولی سیٹھ عبدالوہاب (ابن شیخ عطا الرحمٰن) کے سامنے یہ تجویز بھی پیش کی کہ تقسیم کے وقت دہلی کا مدرسہ رحمانیہ اپنی رونقیں کھو چکا تھا، خود مؤسس مدرسہ کا خاندان پاکستان ہجرت کرچکا تھا اور بعد ازاں مدرسہ کی عمارت میں شفیق میموریل سکول کی طرح ڈالی جاچکی تھی، اس لئے بہتر ہوگا کہ سفید مسجد کے اس مدرسہ کو از سرنو مدرسہ رحمانیہ کا نام دیا جائے، چنانچہ سیٹھ عبدالوہاب مرحوم اور ان کی انتظامیہ نے اس تجویز پر صاد کیا اور یوں مدرسہ رحمانیہ دہلی کے احیا کا راستہ کھل گیا۔ [مدرسہ رحمانیہ کے آٹھ سال، تعلیمی سرگرمیاں، نصاب اور طریقہ امتحان، غیر تعلیمی سرگرمیاں، جریدہ 'محدث' سے وابستگی، اساتذہ کا تذکرہ]

ابا جان ۱۹۳۳ء میں جامعہ رحمانیہ سے فارغ ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں بنارس کا رُخ کیا، جہاں مدرسہ سلفیہ اگلے چھ سال کے لئے اُن کی آماجگاہ رہا۔ یہی سلفیہ بعد میں ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا جامعہ سلفیہ کا رُوپ دھارتا گیا اور اس جامعہ کے فارغین اپنے تبحر علمی اور عربی دانی کی بنا پر عرب دنیا میں بھی اپنا لوہا منواتے گئے۔ اس مدرسہ میں والد صاحب کو صحاحِ ستہ جم کر پڑھانے کا موقع ملا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک منتہی طالبِ علم تدریس کے مرحلہ سے گزر کر ہی مسِ خام سے کندن بنتا ہے۔ یوں تو اُنہیں اس باب میں خراجِ عقیدت دینے والے

© rasailojaraid.com

بہتیرے ہوں گے لیکن انہی کی زبان سے ایک شاہد کی شہادت سنتے جائیے......

والد صاحب کہتے ہیں: جن دِنوں میں اسلامی نظریاتی کونسل (پاکستان) کا ممبر تھا اور جسٹس تنزیل الرحمٰن کی صدارت کا زمانہ تھا۔ کونسل میں یہ بحث چھڑی کہ حاکم یا امیر کی مدتِ امارت متعین ہونی چاہئے یا نہیں، یعنی الیکشن ہو یا نہ ہو؟ میں نے کہا: مدت متعین نہیں ہونی چاہئے۔ خلفاے راشدین اپنی وفات یا شہادت تک امیر رہے ہیں۔ جسٹس صاحب کہنے لگے کہ دلیل لاؤ۔ میں نے وہ روایت پیش کی جس میں اُمرا کی سمع و طاعت کا ذکر ہے اور آخر میں : ما أقاموا الصلاۃ ''جب تک وہ نماز قائم کرتے رہیں۔'' اُس پر جسٹس صاحب خوش ہوکر بولے، حدیث تو آپ سے پڑھنی چاہئے۔

اگلے چھ سال (۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۸ء) راقم الحروف کی جاے پیدائش مالیرکوٹلہ اُن کا مستقر رہا۔ مشرقی پنجاب میں مالیر اور کوٹلہ کی آبادیوں پر مشتمل تیس ہزار نفوس کی یہ ریاست وہ واحد مسلم ریاست تھی جس نے تقسیم کے وقت فسادات کے موقع پر مہاجرین کے لئے ایک آسرا بہم پہنچایا۔ یہ ریاست مشرق میں سکھوں کی ریاست نابھ، مغرب اور جنوب میں ریاست پٹیالہ اوراس کے کچھ قصبات جیسے دُھوری اور ریاست جینو کے کچھ اَطراف، اور شمال میں ضلع لدھیانہ سے گھری ہوئی ہے۔

ابا جان 'کوثر العلم' مدرسہ میں پڑھاتے بھی رہے اور مسجدِ اہلحدیث میں جمعہ کا خطبہ بھی دیتے رہے۔ میری (پیدائش نومبر۱۹۴۲ء) تختی کا آغاز بھی اسی مدرسہ سے ہوا۔ مالیرکوٹلہ ابا جان کی سسرال بھی تھی، اس لئے یہاں کا قیام متعدد مصلحتوں سے وابستہ تھا۔

مالیرکوٹلہ میں جن تلامذہ نے ابا جان سے تعلیم کا آغاز کیا اور پھر عربی دانی میں خوب شہرت پائی، ان میں سرفہرست مولانا عاصم ہیں، جن کا گھرانہ پیشے کے اعتبار سے لوہار تھا۔ عاصم ابا جان کے پاس عربی پڑھتے اور دوسرے دروس میں شریک ہوتے۔ ایک دن اُن کے والد آئے اور خفگی کا اظہار کیا کہ لڑکا تو مسیتڑا ہوا جاتا ہے، وہ اُنہیں اپنے پیشے سے وابستہ کرنا چاہتے تھے۔ ایک طرف والد کی خواہش اور دوسری طرف طلبِ علم کی شدید لگن، اس لئے مناسب یہی سمجھا گیا کہ عاصم راتوں رات لدھیانہ تشریف لے جائیں، اور پھر اُنھوں نے بقیہ تعلیمی مراحل عربی کے مشہور انشاء پرداز مولانا مسعود عالم ندویؒ کے ساتھ گزارے اور عربی میں اتنا کمال

© rasailojaraid.com

حاصل کیا کہ جماعت ِاسلامی سے وابستگی کی بنا پر مولانا مودودیؒ کی متعدد کتابوں کو عربی جامہ پہنا کر عالم عرب میں روشناس کرایا۔ گو اپنے پیشے سے وابستہ نہ رہے لیکن اس نسبت کو الحدّاد کے لاحقے کے ساتھ وفات تک گلے لگائے رکھا۔ اللهم اغفرله وارحمه!

فسادات کے وقت مسلمانوں کے قافلے اس ریاست میں پڑاؤ ڈالتے، پٹیالہ اور نابہہ سے لٹے پٹے قافلے اس حالت میں مالیر کوٹلہ پہنچتے کہ ایک قافلہ جو چلتے وقت پانچ ہزار نفوس پر مشتمل تھا، مالیر کوٹلہ پہنچتے پہنچتے پانچ سو افراد کا رہ گیا۔ مکئی کی فصل کھڑی تھی، دردمند حضرات اُسی کا دلیہ بنا کر مہاجرین میں تقسیم کرتے۔ مذکورہ قافلہ میں چند مسلح ریٹائرڈ فوجی بھی تھے، اس لئے سکھوں کو سامنے سے حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی بلکہ نہر کا ایک پل بیل گاڑیوں سے بند کرکے اچانک دائیں بائیں اور پیچھے سے حملہ کیا، اکثر شہید ہوئے، کچھ نہر میں ڈوبے اور بہت کم اپنی جان بچا سکے۔

والد صاحب بتاتے ہیں کہ نفسانفسی کا یہ عالم تھا کہ لوگ عارضی کیمپوں میں ریل گاڑی یا بس کی روانگی کے منتظر رہتے۔ جونہی ٹرین کے کوچ کر جانے کا اعلان ہوا، لوگ بھاگم بھاگ اسٹیشن پہنچے۔ ابا جان نے ایک کیمپ میں ایک معصوم بچے کو دیکھا جو اپنی مختصر زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا۔ اس کے والدین اسے اسی حالت میں چھوڑ کر جاچکے تھے، گویا نقشہ تھا یومِ قیامت کا: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾

ابا جان نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس غریب الدیار معصوم کو کفنایا اور دفنایا۔ ہم نے مئی ۱۹۴۸ء میں ہجرت کا عزم کیا۔ ٹرین کے اُس سفر کی چند یادیں آسمان پر بجلی چمکنے کے مختصر وقفہ کی مانند لوحِ دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی ہیں، جو ہم نے اٹاری تک کیا تھا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس گاڑی پر کوئی شب خون نہیں مارا گیا۔ کچھ ڈبوں میں لوٹ مار ہوئی اور خواتین کا زیور اور مردوں کا روپیہ پیسہ چھینا گیا۔ اٹاری سے ایک مال گاڑی کے کھلے ڈبوں میں ساز وسامان کے ساتھ واہگہ ہوتے ہوئے لاہور پہنچے۔ ابا جان بتاتے ہیں کہ گاڑی لاہور اسٹیشن پر رُکے بغیر والٹن چلی گئی، جہاں مہاجرین ہزاروں کی تعداد میں کیمپوں میں پڑے کسمپرسی کا شکار تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہیضہ پھوٹ چکا تھا، اس لئے عافیت اسی میں سمجھی گئی کہ گاڑی سے نہ اُترا جائے

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

تا آنکہ اس نے واپسی کا قصد کیا اور لاہور چھاؤنی جا اُتارا۔ [مالیر کوٹلہ کا قیام، ابا جان کے سسرال اور ہمارے ننھیال کا تذکرہ، تدریسی و تعلیمی سرگرمیاں]

جغرافیائی حدود کے اعتبار سے ایک دور ختم ہوا اور پاکستان آمد کے بعد ایک دوسرا دور شروع ہوا لیکن ابا جان جماعتِ اسلامی سے وابستگی کے اس مرحلہ کو جو ۱۹۴۱ء میں شروع ہوا اور ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیحدگی پر ختم ہوا اور جس کا دورانیہ ۱۶ سال پر مشتمل تھا، اپنی زندگی کا ایک مستقل مرحلہ گردانتے ہیں اور جماعتِ اسلامی کے ۱۶ سال سے اُسے موسوم کرتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی اپنے تفصیلی مضمون میں اس امر کا لحاظ رکھوں گا اور اسے ایک مستقل عنوان ہی کے ذیل میں لکھوں گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ہندوستان جن مسائل میں گھوم رہا تھا کہ ایک طرف کانگرس انگریزوں کا خلیفہ بننے کا خواب دیکھ رہی تھی، دوسری طرف مسلم لیگ مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ مملکت کے قیام کی خواہاں تھی، اور یہ وہ زمانہ تھا جب ۱۹۲۴ء میں تارِ خلافت ٹوٹنے کے بعد سارا ہندوستان محمد علی جوہرؒ کے نعرۂ خلافت سے بھی گونج رہا تھا اور جہاں شاہ خطابت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ولولہ انگیز تقاریر مسلمانوں کو ایک حوصلہ اور پیامِ اُمید پہنچا رہی تھیں اور پھر وہیں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر انگیز تحریریں، 'ترجمان القرآن' میں مسلمانوں کی موجودہ حالت پر اُن کے خیال انگیز تبصرے اور مسلمانوں کو انگریز اور ہندوؤں کی ملی بھگت کے نتیجہ میں ایک ذلت آمیز انجام سے بچنے کی تدبیر کے طور پر رجوع الیٰ اللہ کی تحریک ابا جان کے انقلابی اور اصلاحی ذہن کے لئے انتہائی باعثِ کشش ثابت ہوئی اور وہ اپنا من تن دھن سب کچھ لُٹا کر مولانا مودودیؒ کی دعوت پر لبیک کر اُٹھے۔ وہ جماعت کے تاسیسی اجلاس میں تو نہ شریک ہو سکے لیکن ہرکارۂ ڈاک کے توسط سے جماعت کے اوّلین و سابقین ہی میں شمار ہوئے۔ سرزمین لاہور پر قدم رکھتے ہی اُنہوں نے اپنے مختصر خاندان (والدہ، بڑی بہن اور ہم تین بھائیوں) کو کھنہ بلڈنگ، دالگراں چوک کی دوسری منزل کے ایک کشادہ کمرے میں ہماری منجھلی خالہ کا مہمان ٹھہرایا جو ہم سے قبل ہجرت کر چکی تھیں، پھر اچھرہ جا کر مولانا مودودیؒ کو اپنے سفر کی رام کہانی سنائی اور لوٹ مار کے ان واقعات کا تذکرہ کیا جو ریل گاڑی کے سفر میں پیش آئے تھے۔ مولانا نے ہدایت کی کہ ایک اور رکن جماعت کی معیت میں ابا

© rasailojaraid.co

جان بحالی مہاجرین کے کمشنر عطا محمد لغاری سے ملاقات کریں۔ ابا جان کہتے ہیں کہ جب ہم نے کمشنر صاحب سے ملاقات کی اور اُنہیں ساری بپتا سنائی تو اس نے بجائے ہمدردی کے دو بول کہنے کے یہ کہا کہ تعجب ہے، تم لوگ کیسے بچ بچا کر آ گئے!!

ابا جان کے اگلے نو سال راولپنڈی، پھر لاہور، پھر سیالکوٹ اور پھر لاہور کی راہ نوردی میں گزرے۔ طے پایا تھا کہ راولپنڈی میں نوجوانوں کی تربیت کے لئے ایک اقامتی درسگاہ قائم کی جائے اور ابا جان چند دوسرے رفقا کے ساتھ نظامِ تربیت و تدریس سنبھالیں، لیکن یہ درس گاہ اس وجہ سے کامیاب نہ ہوسکی کہ طالب علم صرف تین مہیا ہوئے جبکہ اساتذہ سمیت سارا سٹاف سات افراد پر مشتمل تھا۔ اس درسگاہ کے طلبہ یہ تھے:

شریف کیانی   عرفان غازی   رحمت الٰہی

تین ماہ کے بعد، لاہور کی اقامت کے ایک مختصر دورانیے کے بعد ابا جان کو سیالکوٹ کی جماعت کی امارت سونپی گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قادیانیوں کی ہرزہ سرائیوں اور بعض حکومتی اہل کاروں کی طرف سے ان کی سرپرستی کے نتیجہ میں ختم نبوت کی تحریک اپنے عروج پر تھی۔ جلسے جلوسوں میں نہ صرف لاٹھی چارج ہوتا بلکہ آتش و آہن کی بارش بھی ہوتی۔ ہم نے اپنے گھر کی کھڑکی سے کئی ایسے جنازے دیکھے جو اس تحریک کے نتیجہ میں شہید ہونے والوں کے تھے۔ مولانا مودودیؒ کا 'قادیانی مسئلہ' لکھنا حکومت کی نظر میں ساری جماعت کے لئے عتاب کا باعث ہوگیا۔ جماعت کی قیادتِ علیا جیل کی سلاخوں کے پیچھے پابندِ سلاسل کردی گئی تھی۔ ایک صبح حکومت کے گماشتے ابا جان کو بھی گھر سے پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر سیالکوٹ جیل روانہ ہوگئے۔ والدہ کو ایک دن بروقت اطلاع مل گئی کہ آج اسیرانِ ختم نبوت کو گاڑی سے ملتان لے جایا جارہا ہے۔ چنانچہ والدہ ہم بچوں کو لے کر اسٹیشن پہنچ گئیں۔ لوحِ دماغ پر ابا جان کی وہ جھلک اب تک مرتسم ہے کہ ڈبے میں سوار، کھڑکی کی سلاخوں کے پیچھے سے ہتھکڑی لگے ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں الوداع کہہ رہے تھے۔

اُنھوں نے اپنی رودادِ حیات بیان کرتے ہوئے ایک دفعہ بتایا کہ اکثر علما اور اصحاب جبہ وقبہ قیدو بند کی صعوبتوں کو برداشت نہ کرپائے اور معافیاں مانگ مانگ کر اپنے گھر کو سُدھارے۔ ابا جان کی اسیری گیارہ ماہ کی حدیں پھلانگ رہی تھی۔ 'سیفٹی ایکٹ' کے تحت چھ

© rasailojaraid.com

ماہ بعد اُنہیں عدالت کے رُو برو حاضر کرنا پولیس کا فرض تھا لیکن اُنہوں نے غفلت برتی، چنانچہ جب گیارہ ماہ بعد اُنہیں عدالت میں پیش کیا گیا اور فاضل جج جسٹس ایس اے رحمٰن کے علم میں یہ بات آئی تو انہوں نے Released کہہ کر ابا جان کی فوری رہائی کا حکم صادر کیا۔

سیالکوٹ اور پھر دو سال لاہور کے قیام کے دوران ابا جان نے جماعت کے ارکان کی تربیت کے نقطہ نظر سے 'انتخابِ حدیث' کا مجموعہ ترتیب دیا، جس میں الأدب المفرد (از امام بخاریؒ) کے طرز پر زندگی کے اجتماعی، معاشرتی اور سیاسی مسائل میں سنتِ نبویؐ کی ہدایات کو جمع کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ احادیث نے جماعت کے حلقوں میں کافی پذیرائی حاصل کی۔ جماعتِ اسلامی ہند نے بھی اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع کئے، اور جب جماعت نے سندھ کے ایک دورافتادہ مقام منصورہ (ہالہ) پر ایک دارالعلوم بسانے کی ایک اسکیم رکھی تو اس دارالعلوم کے نصاب کی تیاری بھی ابا جان ہی کے سپرد کی گئی۔

۱۹۵۵ء کے اَواخر میں جماعت کے ایما پر جائزہ کمیٹی میں شمولیت اختیار کی جسے جماعت کے اراکین سے ملنے اور جماعت میں فکر ونظر کے اعتبار سے اُن خیالات کے اسباب کا جائزہ لینا تھا جو جماعت کی صوبائی الیکشن میں ناکامی، حکومتِ اسلامیہ کے قیام کے سلسلہ میں جماعتی پالیسی میں واقع تبدیلی اور مولانا مودودیؒ سے فکری اختلاف جیسے موضوعات کا احاطہ کئے ہوئے تھے، اور پھر اس کمیٹی کی رپورٹ کے نتیجہ میں فروری ۱۹۵۷ء کے اجتماع ماچھی گوٹھ میں جماعت کی شوریٰ کا تاریخی اجلاس منعقد ہوا۔ یہ وہ اجلاس تھا کہ جس میں بعض اراکین نے ۹ گھنٹے بلکہ اس سے زیادہ لمبے عرصہ کے لئے تقاریر کیں۔ یہاں اس موضوع کا احاطہ اس لئے بھی مناسب نہیں کہ ڈاکٹر اسرار احمد جماعت اسلامی کے بارے میں اپنی ایک کتاب میں اس تاریخی داستان کو محفوظ کر چکے ہیں۔

جماعت کے یہ واقعات اراکین کے لئے کتنے حوصلہ شکن اور باعثِ غم تھے، اس کا اندازہ اس حادثہ سے لگایا جاسکتا ہے جو عتیق احمد صاحب کو پیش آیا۔ وہ اسی اجتماع میں شرکت کے لئے ٹرین میں سفر کررہے تھے۔ بہت ہی حساس طبیعت کے مالک تھے، اُن کا تاثر اتنا شدید تھا کہ دماغی حملہ کا شکار ہوگئے۔ ابا جان سے چونکہ عزیز داری تھی، اس لئے اطلاع ملتے ہی ابا جان اُنہیں لینے کے لئے فیروز خان پور کے اسٹیشن تک گئے اور اُنہیں بحفاظت ان کی منزل تک

© rasailojaraid.com

پہنچایا۔ الحمدللہ علاج معالجے کے بعد صحت یاب ہوگئے اور دوبارہ پھر اپنے کام میں جت گئے۔

جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پر طویل بحث ومباحثہ کا ہونا، اس کے نتیجہ میں جائزہ کمیٹی کے ارکان پر سازش کرنے کا اِلزام لگنا اور پھر اُن سے شوریٰ کی رکنیت سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کرنا، ایسے اُمور تھے جو بالآخر ابا جان کی جماعت سے علیحدگی پر منتج ہوئے۔

مجھے یاد ہے کہ ابا جان مجھے ساتھ لے کر ۶ مئی ۱۹۵۷ء کو عازمِ لائل پور ہوئے، جہاں جائزہ کمیٹی کے ایک دوسرے مستعفی رکن مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے ساتھ عربی اور دینی علوم کی تدریس کے لئے 'جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس جامعہ کی ایک کمرے سے ابتدا ہوئی جس کا میں پہلا طالب علم تھا۔ میں میٹرک کا امتحان دینے کے بعد صبح کے اوقات میں گورنمنٹ کالج لائل پور کے اساتذہ سے آرٹس کے مضامین (عربی، معاشیات اورانگریزی) میں فیض حاصل کرتا اور شام کے اوقات میں ابا جان سے عربی کی تحصیل کرتا۔ میرا ذکر تو ضمناً آ گیا، مقصود تھا کہ ابا جان کیلئے ایک دفعہ پھر درس و تدریس کا میدان ہموار ہوگیا۔

لائل پور کے ساڑھے چارسالہ قیام میں ابا جان نے جامعہ سلفیہ اور پھر دارالقرآن والحدیث میں منتہی طلبہ کو بھی پڑھایا اور جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے توسط سے نوجوانوں میں عربی کی تحصیل کا شوق بھی اُجاگر کیا۔ لغۃ القرآن الکریم کے نام سے ایک ماہانہ اجلاس کی داغ بیل ڈالی جس میں عربی مدارس کے طلبہ کو شمولیت کی دعوت دی جاتی۔ اُن دنوں ایک عراقی نوجوان صالح مہدی السامرائی، زرعی یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے، اِخوان کے سرگرم کارکن، اکثر ملاقات کے لئے آتے، ان کی موجودگی کی بنا پر ہمارا عربی اجلاس خوب پررونق ہوجاتا۔ جاپان سے ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد عرصہ دراز تک جامعہ الملک عبدالعزیز (جدہ) میں پڑھاتے رہے اور اب بھی سعودی عرب ہی میں مقیم ہیں۔

جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ سے ابا جان کا رشتہ ٹوٹ ٹوٹ کر جڑتا رہا۔ غالباً ۱۹۶۲ء میں چند ماہ ڈاکٹر اسرار احمد کے قائم کردہ 'حلقہ مطالعہ قرآن' (منٹگمری حالیہ ساہیوال) میں بھی بحیثیت مُربی ومدرس گزارے۔ پھر ڈاکٹر صاحب کے کراچی منتقل ہونے پر ابا جان نے بھی کراچی کا قصد کیا اور جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، جامعہ رحمانیہ کو نئی زندگی عطا کی۔ نصاب کی اصلاح کی، انگریزی زبان کی تعلیم کو روشناس کرایا، بعض قدامت پرست اساتذہ نے مخالفت کا علم بلند کیا۔ ابا جان

www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

طلبہ کی بھرتی کے لئے لائل پور گئے اور وہیں سے استعفیٰ لکھ کر مدرسہ رحمانیہ ارسال کر دیا، ہمارے دوست ہارون الرشید حسّاس کی روایت ہے کہ وہ والد صاحب ہی کی وجہ سے رحمانیہ داخل ہوئے تھے۔ اس وقت تعطیلات پنجاب میں گزار رہے تھے، اُنہوں نے والد صاحب سے ملاقات کی اور اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست کی۔ یہ بھی کہا کہ ہم طلبہ تو صرف آپ کی وجہ سے کراچی گئے تھے۔ اس لئے آپ کو ہر صورت کراچی چلنا ہوگا۔ والد صاحب نے کہا کہ پھر میری بھی دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ حکیم عبدالرحیم اشرفؒ خود مجھے جانے کا اِذن دیں اور دوسرے یہ کہ مدرسہ کے متولی سیٹھ عبدالوہاب خود مجھے دوبارہ آنے کے لئے کہیں۔

ہارون الرشید کہتے ہیں کہ میں نے حکیم صاحب کو اِذن دینے پر اس طرح آمادہ کیا کہ لائل پور میں آپ خود اور آپ کا ادارہ آپ کے اَفکار کو عام کر رہا ہے۔ کراچی میں ایسی کوئی شخصیت نہیں ہے جو آپ کے فکر (یعنی فرقہ بندی سے بلند ہو کر اللہ کے دین کی تبلیغ کرنا) کو پھیلا رہی ہو تو کیا یہ بہتر نہیں کہ مولانا عبدالغفار حسن کراچی میں اس کارِ خیر کو انجام دیں۔ دوسری طرف میں طلبہ کا ایک وفد لے کر سیٹھ عبدالوہاب کے پاس گیا اور اُنہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ابا جان کا استعفیٰ قبول نہ کریں۔ سیٹھ صاحب نے اس بات پر بھی آمادگی کا اظہار کیا کہ وہ ابا جان اور اُن پر اُن کے والد عطاء الرحمٰن کی شفقتوں اور تعلقات کو دیکھتے ہوئے بخوشی اُن کے گھر جائیں گے اور اُنہیں دوبارہ رحمانیہ لائیں گے، اور یوں رحمانیہ سے ایک عارضی لاتعلقی کے قلیل عرصہ کے بعد ابا جان دوبارہ رحمانیہ واپس آ گئے۔ [جماعت اسلامی کے ۱۶ سال، مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کی رفاقت؛ متفرق واقعات]

مجھے یاد ہے کہ ۲۴ ستمبر ۱۹۶۴ء کو میرا اور میرے بڑے بھائی کا عقدِ نکاح تھا، ہم دونوں کی شادیاں مولانا محمد یونس قریشی دہلوی کے گھرانہ میں ہوئیں۔ بڑے بھائی شعیب حسن کی مولانا کی بیٹی کے ساتھ اور میری اُن کی پوتی کے ساتھ۔ میں اس وقت تک مدینہ منورہ میں دو سال گزارنے کے بعد تعطیلات پر آیا ہوا تھا، اگلے روز ولیمہ تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے حدیث کے اُستاد شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد دعوتِ ولیمہ کی رونق کو اپنی آمد سے دوبالا کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ابا جان کو مدینہ منورہ لے جانے اور اسلامی یونیورسٹی میں حدیث اور علومِ حدیث پڑھانے پر آمادہ کر رہے ہیں، انہوں نے مدرسہ رحمانیہ کی بھی زیارت کی، دیکھا کہ ابا جان

© rasailojaraid.com

پانچ طلبہ کو جلالین کا درس دے رہے ہیں، کہا کہ یہاں تم پانچ طلبہ کو پڑھاتے ہو، وہاں یعنی مدینہ میں پانچ سو طلبہ کو پڑھاؤ گے!!

ہارون الرشید روایت کرتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر شیبة الحمد پاکستان سے اساتذہ کا انتخاب کرنے کے لئے پنجاب گئے تھے۔ مولانا حافظ محمد گوندلویؒ اور مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ دونوں سے اسی سلسلہ میں بات کی۔ اوّل الذکر تو آمادہ ہوگئے، لیکن مولانا محمد اسماعیل نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ ''میں جماعت اہل حدیث کا امیر ہوں اور میرے لئے ممکن نہیں کہ اپنی جماعتی مصروفیات چھوڑ کر رختِ سفر باندھوں۔ بہتر ہوگا کہ اگر آپ مولانا عبدالغفار حسن کو وہاں جانے پر آمادہ کرلیں۔'' اور یوں ابا جان سے ملاقات کا اہتمام ہوا، ابا جان نے رحمانیہ کی انتظامیہ سے بات کی اور اُنہوں نے بلا تامل کہا کہ اگر بلاوا مدینہ منورہ سے ہے تو ہم کیسے روک سکتے ہیں؟

میں تعطیلات کے بعد واپس مدینہ جانے کے لئے برٹش انڈیا سٹیم کمپنی سے بحرین تک کے دو ٹکٹ بک کروا چکا تھا لیکن ابا جان جامعہ سے اپنے تَعاقُد (معاہدۂ ملازمت) کی بنا پر ہوائی جہاز کے چار ٹکٹوں کا استحقاق رکھتے تھے۔ یوں ابا جان کی معیت میں پہلا ہوائی سفر کرنے کا موقع ملا۔ مدینہ میں پہلے دو سال میں نے بورڈنگ میں گزارے تھے، اگلے دو سال ابا جان کے ساتھ ایک ہی مکان میں ہم دونوں رہتے رہے۔ ایک سال بعد والدہ اور چھوٹے بھائی بھی پہنچ گئے اور اس طرح اس گھر کی رونق بڑھتی رہی۔

میں چونکہ دو سال بعد ۱۹۶۶ء اپنی تعلیم مکمل کرچکا تھا اور پھر ۱۹۶۷ء کے آغاز میں سعودی عرب کے دار الإفتاء کی جانب سے عازمِ نیروبی (کینیا) ہوا۔ اس لئے قربت کے لمحے فاصلوں میں بدلتے گئے۔ نیروبی کے ۹ سالہ قیام کے بعد شیخ ابن بازؒ کی ہدایت پر مجھے لندن بھیج دیا گیا، جہاں کی مصروفیات دراز ہوتی ہوئیں اب ۳۰ سال سے متجاوز ہوچکی ہیں۔ ان چالیس سالوں میں میری یہ کوشش رہی کہ ہر سال کی رسمی تعطیلات والدین کے پاس گزریں، یوں جب تک والدین مدینہ رہے، میں وہاں جاتا رہا اور جب ۱۹۸۲ء میں وہ ملازمت کی قانونی مدت گزر جانے پر پاکستان منتقل ہوگئے تو پاکستان آتا رہا۔ گو اس لحاظ سے ہماری باہمی ملاقات کا دورانیہ چھوٹے بھائیوں کی نسبت مختصر رہا لیکن خط و کتابت کے تسلسل نے حالات سے آگاہ رکھا۔ ان چالیس سالوں کو تین مرحلوں میں دیکھا جاسکتا ہے:

© rasailojaraid.com

① مدینہ منورہ کا قیام ۱۹۸۲ء تک (اس دوران میری خواہش پر ایک دفعہ نیروبی اور ایک دفعہ لندن کا سفر کیا۔

② ۱۹۹۰ء تک جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ (فیصل آباد) سے دوبارہ وابستگی اور یہی وہ عرصہ ہے جس میں ابا جان اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔

③ ۱۹۹۱ء سے وفات تک (جمعرات ۲۲/مارچ ۲۰۰۷ء) یہ عرصہ اسلام آباد میں گذرا۔ ۸فروری ۱۹۹۲ء کو رفیقۂ حیات، یعنی امی جان داغِ مفارقت دے گئیں۔

اس دوران درس و تدریس کا سلسلہ گھر سے جاری رہا۔ اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے متعدد طلبہ، غیر ملکی احباب اور اساتذہ گھر آکر فیض حاصل کرتے رہے۔ 'عظمتِ حدیث' کے نام سے کچھ اپنے مقالات اور کچھ اپنے والد اور دادا کے مقالات کا مجموعہ شائع کیا۔ اسلام آباد میں اپنے گھر سے متصل سیمنٹ کا ایک تھڑا بنوا کر مسجد کا آغاز کیا جواب ایک مکمل مسجد میں تبدیل ہو چکا ہے۔ بلکہ مسجد کی بالائی منزل میں ایک لائبریری کی سہولیات فراہم کرنے کی طرح ڈالی جاچکی ہے اور عزم یہی ہے کہ اس لائبریری میں ابا جان کا پورا کتب خانہ سما جائے گا تاکہ صدقہ جاریہ کا فیضان ان تک پہنچتا رہے۔

ان تینوں مراحل سے متعلق میری معلومات یا تو اُن شخصی ملاقاتوں پر موقوف ہیں جن کا موقع ہر سال ایک ڈیڑھ ماہ کے لئے ملتا رہا یا رسائل کے توسط سے اور یا پھر ابا جان کی سالانہ ڈائریاں کہ اُن کی عادت تھی کہ وہ التزام کے ساتھ عربی میں اپنی ڈائری لکھا کرتے تھے لیکن ان کی یہ تحریریں بہت مختصر اور اکثر اشارات کی شکل میں ہیں۔ اس لئے اس طویل دورانیہ کے حالات کو قلم بند کرنے کے لئے مجھے کچھ وقت کی اور قارئین کو کچھ صبر کی ضرورت ہوگی۔

رہا عادات و خصائل، گھر اور باہر کے تعلقات، تو یہ ایک مستقل باب ہے جو تفصیلی مضمون ہی کا حصہ بن سکتا ہے۔ اور میں اس دعا کے ساتھ رخصت چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس تفصیلی مضمون تحریر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور میں ابا جان کے احباب اور تلامذہ سے بھی ملتمس ہوں کہ وہ والد صاحب کے بارے میں اپنے تاثرات جریدہ 'محدث' یا دوسرے رسائل وجرائد کے توسط سے منظر عام پر لے آئیں تاکہ والد صاحب کی حیاتِ مستعار کے تمام بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرویا جاسکے۔ وباللہ التوفیق!

www.KitaboSunnat.com